# خلافت سے مراد کیا ہے؟

<"xml encoding="UTF-8?>

خلافت

خلافت ایک دینی اور سیاسی اصطلاح ہے۔ جس کے معنی سیاست، حکومت اور دینی امور میں پیغمبر اکرم (ص) کی جانشینی کے ہیں۔
شیعہ تعلیمات میں خلافت سے مراد تمام دنیوی اور اخروی امور میں پیغمبر اکرم (ص) کی جانشینی ہے۔

شیعوں کے ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے خلفاء آپ (ص) کے اہل بیت میں سے بارہ معصوم امام (ع) ہیں اور پیغمبر اکرم اور ان میں فرق صرف اتنا ہے کہ ان پر وحی نازل نہیں ہوتی ہے۔
آنحضرت کی رحلت کے بعد (امام علی علیہ السلام علیہ السلام(ع) اور امام حسن مجتبی (ع)) کے دو مختصر دور حکومت کے علاوہ خلافت عملی طور پر غیر معصومین کے ہاتھ رہی ہے اور تقریبا تیرہ صدیوں تک مختلف خاندان اور اشخاص نے پورے جہان اسلام میں خود کو پیغمبر اکرم کا خلیفہ بنا کر پیش کیا ہے۔
لیکن تاریخ اسلام میں خلافت اس حکومتی ڈھانچے کا نام ہے جس نے پیغمبر(ص) کی رحلت کے بعد اسلامی معاشرے کی باگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اس منصب کے حامل اشخاص، یعنی خلفاء خود کو صرف حکومتی امور میں پیغمبر اکرم کا جانشین قرار دیتے تھے۔
خلافت کا مفہوم
خلافت، ایک عربی لفظ ہے جسکا معنی جانشین بنانا، اور خلیفہ کا لفظ ( جس کی جمع خلفاء اور خلائف ہے) جانشین، وکیل اور قائم‌مقام کے معنی میں ہے۔[1] لفظ خلیفہ[2]، خلفاء[3] و خلائف[4] قرآن میں بھی اسی لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔
خلافت اور خلیفہ، ان دو الفاظ کا سب سے زیادہ استعمال انکا اصطلاحی معنی ہے جو پیغمبر(ص) کی رحلت کے بعد اسلامی معاشرے میں سیاسی تغییر و تحولات کے لیے استعمال ہوا پہلا لفظ حکومت اور مطلق حاکمیت میں جانشینی کے معنی میں ہے اور دوسرا لفظ حکومت میں پیغمبر اکرم کے جانشین کے معنی میں ہے
مذکورہ اصطلاحات کا بہت زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے یہ دونوں الفاظ مسلمانوں کے سیاسی کلچر میں کلیدی مفاہیم اور الفاظ میں بدل گئے ہیں یہاں تک کہ بعد میں مسلمانوں کے کچھ گروہ نظام خلافت کی مشروعیت کیلئے اس خلیفہ کے لفظ کو قرآن میں استعمال ہونے سے مستند کیا ہے ۔[5] اسی معنی میں، امامت اور امام کے دو لفظ بھی بار بار ابتدایی مسلمان مولفین کی کتابوں میں استعمال ہویے ہیں جو شیعہ امامت کے مفہوم سے کوسوں دور ہے۔
تاریخ اسلام میں خلافت اس حکومتی ڈھانچے کا نام ہے جس کے تحت پیغمبر کی شہادت کے بعد اسلامی معاشرے کا نظم و نسق چلایا جاتا تھا اور اس کے متصدی افراد یعنی خلفاء، اسلامی حکومت میں پیغمبر اکرم کے جانشین شمار کیے جاتے تھے۔
تاریخچہ
غصبِ خلافت  کا آغاز، سقیفہ بنی ساعدہ کے حادثے سے ہوتا ہے۔ بعض صحابہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی رحلت کے فورا بعد آپ کے لیے جانشین معین کیا۔

خلفائے راشدین

ابوبکر بن ابی قحافہ

غصب ِخلافت اور اسلامی بادشاہت کا نظام ابو بکر بن ابی قحافہ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جعلی جانشین بنانے سے شروع ہوگیا؛ لیکن بعض صحابہ، بنی ہاشم اور بالخصوص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے متعدد مخالفتوں کا سامنا ہوا لیکن آخرکار مختلف حربوں کے زریعے سے مخالفوں کو خاموش کردیا [6]

اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ کہا گیا۔[7]

ابوبکر خلفای راشدین میں پہلا غاصب ِخلافت اور اسلامی بادشاہ ہے کہ جس کے انتخاب کا طریقہ کار بعد میں مخالفین کے فقہ سیاسی میں اہل حلّ و عقد کے نظریے کیلئے مبناء بن گیا۔ [8]

عمر بن خطاب

ابوبکر نے اپنی وفات سے کچھ پہلے (سال ۱۳ق)، عمر بن خطاب کو غاصب ِخلافت اور اسلامی بادشاہ منصوب کیا اور مسلمانوں پران کی بیعت کرنے کو لازمی قرار دیا۔[9]

کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے اس اقدام کی علت کو فتنہ ایجاد ہونا قرار دیا۔۔[10] عمر بن خطاب کو ابوبکر کے غاصب ِخلافت اور اسلامی بادشاہ کے عنوان کی پیروی کرتے ہوئے، رسولاللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفے کا جعلی خلیفہ نام دیا لیکن انہوں نے اس لمبی عبارت کے بجایے اپنے آپ کو جعلی امیر المومنین کہہ کر پکارنے کو ترجیح دی۔[11]

یہ لقب بعد میں عصر خلافت ختم ہونے تک خلفاء کیلئے تک مہمترین اور رایج ترین لقب تھا۔ عمر غاصب ِخلافت اور اسلامی بادشاہ کے حدود اور اختیارات کو پیغمبر اکرم(ص) کے اختیارات کے ساتھ برابر سمجھتا تھا۔[12] انکی بعض حکومتی پالیسیاں جعلی خلافت کے ساختار کو اس دور کے رائج حکومتی ڈھانچے کے قریب لانے میں بہت موثر تھیں؛ ان میں سے بعض اہم اقدامات؛ عرب کو دیگر اقوام(اصطلاحاً عجم) پر برتری کو ترویج دینا جو کہ پیغمبر اسلام کی قوم پرستی کے مخالف پالیسی کی معارض تھی، بیت المال (جسکو اللہ کا مال نام دیا تھا) کی تقسیم بندی میں مسلمانوں کے لیے برتری کا قایل ہونا؛ غنایم کو مساوی تقسیم کرنے کے طریقے کو ختم کرنا اہم مثالیں ہیں۔[13]

عثمان بن عفان

عمر، نے اپنے جانشین غاصب ِخلافت اور اسلامی بادشاہ معین کرنے کی ذمہ داری کو پیغمبر اکرم(ص) کے صحابہ میں سے چھ رکنی شورای کے سپرد کیا۔عثمان بن عفان ۲۳ھ ق کوتیسرے خلیفہ کے طور پر مسند قدرت پر بیٹھ گئے۔ چھ رکنی شورای کا انکی بیعت کیلئے سب سے اہم شرط اللہ کی کتاب اور پیغمبر کی سنّت، کے علاوہ پہلے دو جعلی، غاصب ِخلافت اور اسلامی بادشاہ خلیفوں کی پیروی(شیخین کی سیرت) تھی؛ جسکو حضرت علی بن ابی طالب نے ماننے سے انکار کیا [14]۔

لیکن تاریخی منابع کے مطابق عثمان مذکورہ شرط پرپابند نہیں رہے جسکی اہم مثالیں پیغمبر اکرم(ص) کی طرف سے طرد شدہ افراد کو اہم اور کلیدی پوسٹوں پر رکھنا بنی امیہ کو حکومتی امور پر مسلط کرنا اور کسی ضابطہ اور قانون کے بغیر بعض لوگوں اور اپنے اموی رشتہ داروں کو بیت المال سے بذل کرنا ہیں۔[15]

علی ابن ابیطالب (علیہما السلام)

علی(علیہ السلام) کی مسجد میں لوگوں کے اجتماع میں اللہ کی کتاب اور پیغمبر کی سنّت پر عمل کرنے کی شرط سے بیعت ہوئی۔[16]
آپ علیہ السلام نے زبردستی بیعت لینے کو مناسب نہیں سمجھا اور اسی وجہ سے بیعت ایک اختیاری امر قرار پایی اور لوگوں کو بیعت کرنے کی دعوت دینے کو اپنے ذمہ داری سمجھتے تھے لیکن اجباری بیعت کو نہیں مانتے تھے[17]
آپ علیہ السلام دین کی تعلیم کو حاکم کی اصلی ذمہ داری سمجھتے تھے۔[18]
اسی وجہ سے ایمان کے پرچم کو لوگوں کے درمیان گاڈا اور انکو حلال اور حرام سے آگاہ کیا۔[19]
حسن بن علی (علیہما السلام)
۴۰ھ ق کو امام علی علیہ السلام کی شہادت کی وجہ سے خلافت کے بحرانی حالات مزید پیچیدہ ہوگئے۔ با وجود اس کے کہ لوگ حسن بن علی علیہما السلام کی خلافت کو انکے والد گرامی کے بعد چاہتے تھے، لیکن امام علی علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے انتخاب میں لوگوں کو آزاد رکھا۔
امام حسن علیہ السلام اپنے ایک خطبے میں خلافت کو ملوکیت سے جدا کرتے ہوئے خلیفہ کے عمل کو ظلم ستم سے دور رہتے ہوئے مذکورہ مبانی کے مطابق ہونے کی تاکید کرتے ہیں۔۔[20]
شام میں معاویہ بن ابی سفیان کی حکمرانی خلافت کے ساتھ ساتھ تھی اور امام علی علیہ السلام کے دور خلافت تک کسی بھی قسم کی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن امام علی علیہ السلام علیہ السلامنے خلافت کے ابتدائی دنوں میں ہی اسے عزل کیا۔[21]
امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے مقابلہ کرنے کا عزم کیا، لیکن آخرکار معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا۔۔ اسی وجہ سے چھ مہینے خلاف کرنے کے بعد حکومت سے دستبردار ہوگئے اور معاویہ کے ساتھ صلح کیا بلاذری کی روایت کے مطابق،[22] صلح نامہ میں امام حسن علیہ السلام کی شرائط میں سے ایک شرط معاویہ کوجانشین معین کرنے سے اجتناب کرنا اور اپنے بعد خلیفہ کے چناؤ کو مسلمانوں کے حوالے کرنا تھی۔
کہا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام نے معاویہ کی طرف سے انکے بعد خلافت کے چناؤ میں انکی تجویز کو رد کر دیا۔[23]
امام حسن علیہ السلام خلافت اسلامی کے پہلے دور کے آخری خلیفہ تھے جسکو بعد میں راشدین کی کارسمیٹک شناخت مل گئی۔ اس بات کو سنی مذہب کے مختلف صدیوں کے مولفین کی کتابوں میں کثرت سے مشاہدہ کرسکتے ہیں،[24]
چند اہم خصوصیات کے حامل ہونے جیسے پیغمبر(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نامورصحابہ میں شمار ہونا، پیغمبر اکرم سے نسبی یا سببی رشتہ داری ہونا، اسلام میں پہل کرنا، پیغمبر اکرم صی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکے اہداف سے یاری، اور آخر میں سیرہ علمی (اس مورد میں تیسرا خلیفہ کو استثناء کرنا ہوگا) نے وہ اور بعد والے خلیفوں کے درمیان تفاوت ایجاد کیا بلکہ اسلامی معاشرے میں صاحبان قدرت کی کارکردگی کی جانچ پڑتال کے لیے ایک معیار میں تبدیل ہوگیا۔ آراء اہل حل و عقد، اہل استخلاف، اصل شورا،[25] خلیفہ کاقریشی ہونا، خلافت کے اثبات، یا وفاداری اور موافقت کا اظہار کیلئے بیعت ایک سبب بننا، [26]، امت کی وحدت کو محفوظ رکھنے کے لیے حاکم کی اطاعت ضروری ہونا، خروج سے ممانعت، [27]، خلیفہ کو خلافت سے خلع کرنے کا امکان یا عدم امکان،[28]، باغیوں کے ساتھ جہاد وغیرہ، سب خلفای راشدین کے انتصاب اور انکی کارکردگی سے ماخوذ

تھے جو ایک آیڈیل حکومت کے طور پر استناد کیا جاتا تھا

امویوں کی خلافت

معاویہ بن ابی سفیان نے 41 ہ ق کو اموی حکومت تشکیل دیکر اسلامی خلافت کو مشروعیت کے بحران سے دوچار کردیا۔ معاویہ کو نہ تو مسلمان گزشتہ خلفاء کی طرح سمجھتے تھے اور نہ ہی نیک شہرت کے مالک تھے بلکہ اس نے خود اس بات کی تصریح کی تھی کہ خلافت کو رضایت سے نہیں بلکہ زبردستی حاصل کیا ہے۔ [29] اور خود کہ پہلا بادشاہ کا نام دیکر خلافت کے زوال کی خبر دے دی۔۔[30] اس نے حکومت کو اپنی خاندان کے لیے ایک الہی برتری سمجھا۔[31] آخری مورد ایک ایسے غالب نظریے میں تبدیل ہوگیا کہ خلافت بنی امیہ میں موروثی ہونے علاوہ اسلامی خلافت کو ایک مذہبی لبادہ میں رکھ کر اسلامی سلطنت میں تبدیل کردیا، اور بعد میں پیغمبر اکرم سے ایک منسوب حدیث « خلافت تیس سال کی ہے اور اس کے بعد بادشاہت ہے»،[32] کے ذریعے تأکید بلکہ ایک قسم کی تائید کی گئی۔

جب 60 ہجری کو یزید خلافت پر پہنچا تو اسلامی اقدار کو پامال کرنے کے علاوہ، اپنے خلاف ہونے والی تمام مخالفتوں کو سنگدلی کے ساتھ سرکوب کیا۔ امام حسین (ع) سے نبرد آزمایی اور واقعہ حرہ انہی میں سے ہیں۔[33]

اس کے بعد ، خلافت کی مشروعیت کا معیار حق پر ثابت قدم ہونا نہیں بلکہ وہ خود حق اور باطل کا معیار تھا۔[34]

مخالفوں کے مختلف قیام اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ اس قسم کی خلافت اگرچہ مسلط تھی لیکن سب کو شامل نہیں کرتی تھی اور پیغمبر اکرم کی خاندان کے علاوہ کہ جنہوں نے کربلا میں قیام کر کے اپنا موقف بیان کیا، مسلمانوں کے دیگر چند گروہ خاص کر (مکہ، مدینہ) اور عراق کے لوگوں نے بھی انہیں تحمل نہیں کیا۔[35]

خلافت کے دعویداروں میں سے ایک عبداللہ بن زبیر تھا جو یزید کی موت کے بعد 64 ہجری کو اللہ کی کتاب، رسول کی سنّت اور سیرہ خلفای صالح» پر عمل کرنے کو اساس بنا کر لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف بلایا۔[36] ان کی اس دعوت کا اصل ہدف خلاف کی ابتدائی شکل کی طرف لوٹنا تھا، معاویہ ابن یزید کی اموی پرتنش خلافت سے دستبرداری کے بعد، آہستہ آہستہ حجاز (ابن زبیر کی تحریک کا محل آغاز) سے دیگر علاقوں کی طرف پھیلنے لگا مروانیوں کی خلافت 64 ہجری سے شروع ہوئی اور دس خلیفوں کے ذریعے 132 ہجری تک باقی رہی۔

مروانیوں نے خلافت میں اپنی بادشاہتی نظر کو دوام بخشا اور خلیفہ کے معنوی مقام کو پہلے سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کی اور اس کے لیے قدسی معنی ایجاد کیا۔[37]

امویوں کی وسیع تبلیغات اور سیاسی تسلط کی وجہ سے خلافت اور خلیفہ کا مفہوم اکثر مسلمانوں کے ذھن میں یہاں تک کہ امویوں کی حکومت کے بعد بھی انکا ترویج کیا ہوا مفہوم تھا۔

اس کے باوجود خاندان پیغمبر کے ساتھ ظالمانہ سلوک اور رفتار کی وجہ سے انکی حکومت کا چہرہ مسخ اور ناقابل ترمیم باقی رہا۔۔[38]

اسی وجہ سے تاریخ میں بہت سارے مسلم مولفین نے امیر المومنین کی اصطلاح یا حتی خلیفہ کی اصطلاح کو امویوں کے لیے استعمال کرنے سے اجتناب کیا ہے یہاں تک کہ اموی دو اصلاح کرنے والے خلیفے، عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن ولید کا انکے درمیان موجود ہونا، یا بعض مولفین کی امویوں کی کارکردگی کی توجیہ کرنے کی کوششیں[39]، بھی انکے منفی چہرے کی تطہیر کے لیے مفید واقع نہیں ہوئیں۔

عباسیوں کی خلافت

اسلامی خلافت کا تیسرا دور بنی عباس والوں کا ہے جنہوں نے 37 خلیفوں کے زریعے پانچ صدیوں(۱۳۲ـ۶۵۶ھ) سے زیادہ مملکت اسلامی پر حکومت کیا۔ «الرضا من آل محمد (صلی اللہ تعالی علیہم)» کے نعرے سے یہ خلافت تشکیل پائی، اہل بیت کو حقوق دلانے اور الہی میراث یعنی پیغمبر (ص)کی (جانشینی) انکے خاندان کو واپس کرنے کے لیے سفاح کی بیعت کی۔[40]

وراثت بنی عباس کی خلافت کے ڈھانچے میں ایک لازمی رکن شمار ہوتی تھی۔ اس دورے میں خلیفہ کی بیعت خاص آداب اور رسومات کے ساتھ انجام دی جاتی تھی۔[41]

تیسری صدی سے ہی خلفاء کے دربار کی آداب و رسوم کے آثار تدوین ہوگئے اور تشریفات، تزین اور ڈیکوریشن خلیفہ اور اس کے دربار کی لوازمات میں سے شمار ہونے لگیں [42]

عباسی خلفاء کی ابتدائی نسل مذہبی اور سیاسی مقتدر شان و شوکت رکھتے تھے اور انکی دینی اقتدار، سیاسی طاقت کی بنیاد سمجھی جاتی تھی [43] لیکن خلیفہ کی سیاسی اقتدار آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگی؛ اور خلیفہ کا عزل و نصب اور حکومت کی بقاء یہاں تک کہ خلیفہ کی موت و زندگی کا اختیار بھی پورے طور پر ترک فوج، آل بویہ اور سلجوقیوں کے ہاتھ میں تھی۔[44]

656ھ کو مغل کے ہلاکوخان کی بغداد پر حملے کی وجہ سے عباسی خلافت سرنگوں ہوگئی اور خلافت کی یہ سرنگونی ایک طرف سے ان لوگوں کے لیے جو اس کو مقدس نگاہ سے دیکھتے تھے، مایوسی کا باعث بنی،[45] تو دوسری طرف بعض اہل سنّت کو جہان اسلام کے مختلف گوشوں میں خلافت کے ادعا کرنے پر ترغیب کا باعث بنی۔

فاطمیوں کی خلافت

فاطمیوں نے چودہ خلیفوں کے ذریعے 270 سال (۲۹۷ـ۵۶۷ ہ۔ق) مصر، مراکش اور شام کے اکثر علاقوں پر حکومت کی اور بعض دفعہ تو حکومت دیار بکر، دیار ربیعہ، حجاز اور یمن تک بھی پھیل گئی۔[46]

فاطمی خلافت کا فکری نظام ایک قوی اور پیچیدہ سیسٹم پر مشتمل تھا جو نہ فقط خلافت کو بچانے کے درپے تھا بلکہ اپنے مذہبی نقطہ نظر(اسماعیلی شیعہ) کو بھی پوری اسلامی دنیا میں ترویج دے رہے تھے اسی وجہ سے فاطمی خلیفہ، خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ امام برحق بھی تھے اور اس امام یا خلیفے کی معنوی شان و منزلت عباسی خلیفہ سے کئی گنا زیادہ معرفی ہوتی تھی۔[47]

امیر المؤمنین یا ہر خلیفہ سے مخصوص القابات کے علاوہ، ولی خدا، موقف نبی، حجت خدا، خلیفہ خدا، برہان خدا، اور نبوت کے نائب اور وارث جیسے عناوین بھی رسمی طور پر استعمال ہوتے تھے۔[48]

مستنصر کی موت (۴۸۷) کے بعد، اس کے جانشین کے انتخاب میں فاطمی دربار دو گروہ مستعلوی اور نزاری میں بٹ گئی اور یہ (دوسرے عوامل کے ساتھ) فاطمیوں کے زوال کا باعث بنا؛ اس طرح سے کہ فاطمی آخری خلیفہ، العاضد مکمل طور پر سنی سلطان اور عباسیوں کے طرفدار صلاح‌الدین ایوبی کے اختیار میں آگیا اور 567 ھ کو اس کی موت کے ساتھ فاطمی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔[49]

عثمانی حکومت

عثمانی حکومت، جس کے قبضے میں روس کے صحراوں کے وسیع حصوں سے لیکر بحیرہ اسود تک، یورپ اور افریقہ کے کچھ علاقے اور عراق، حجاز اور شام تھے، ایک طاقتور اور تازہ دم حکومت شمار ہوتی تھی 923ھ کو مصر پر قبضہ کرنے کے بعد اسے رسمی طور پر خلافت کا عنوان دیا گیا۔ عثمانی بادشاہ عباسی خلیفہ سے متصل

ہوئے بغیر اپنی مذہبی مشروعیت کو میسر ہوتے نہیں دیکھتا تھا [50] یہاں تک کہ عثمانی خلافت کا موجد، سلیم اول، بھی خلافت کا ادعا کرنے سے پہلے کوشش کرتا تھا کہ عباسی خلیفہ سے متوسل ہوکر ان کے ذریعے اپنی ساکھ بنائے۔[51]

سلیم کی ایشیائے صغیر، حجاز، شام و شمالی افریقہ میں فتوحات کی وجہ سے عثمانی حکومت کی بڑھتی ہوتی سرزمین نے عثمانیوں کو پورے جہان اسلام کی حکمرانی حاصل کرنے کی طرف دھکیل دیا۔920ھ کوچالدران کی جنگ کے بعد کہ جسمیں سلیم کو فتح ملی تو اس کو « خدا کا خلیفہ اور پیغمبر» سے خطاب کیا۔[52] عثمانی خلافت کسی بھی وقت ایک معنوی مرکز کے عنوان سے جانی نہیں گئی۔ خلفاء کا غیر عرب اور غیر قریشی ہونا اور انکی پیغمبر کی خاندان سے کوئی نسبت نہ ہونا اس کی اہم وجہ تھی جیسا کہ عثمانی خلافت کے اعلان کی پہلی صدی میں ہی ایک عثمانی اہم شخصیت نے ایک رسالہ لکھ کر غیر قریشی خاص کر عثمانی بادشاہوں کیلئے خلیفہ اور امام کا لقب استعمال کرنے کو مشروعیت دینے کی کوشش کی۔[53]

اور اس کام نے عثمانی خلافت کو انکی اصلی سلطنت کے اندر مورد سوال ٹھہرایا ۔[54] ۱۳۰۱ش/ ۱۹۲۲ کو انقرہ کی قومی اسمبلی کے اراکین نے ووٹ کے ذریعے عثمانی خلافت کو ایک روحانی مقام تک محدود کردیا اور بادشاہت سے جدا کیا۔ اس کے ایک سال بعد بادشاہی نظام ختم ہوکر ترکی جمہوریہ وجود میں آیی جسے خلافت پسند مسلمانوں کے عکس العمل کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ بعض شخصیات جیسے سید امیرعلی ہندی شیعہ امامی میں سے اور آغاخان ( اسماعیلی سربراہ)کو اتنا پریشان کردیا کہ تحریک خلافت کی نمایندگی میں ترکی چلے گئے اور ترکی کے صدر اور وزیر اعظم سے ملاقات میں انکی تصمیم میں تجدید نظر کا مطالبہ کیا لیکن ان اقدامات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور ۱۳۰۳ ہ۔ش/ ۱۹۲۴ م، کو ترکوں نے نظام خلافت کو ہمیشہ کے لیے لغو کرنے کی رای دی۔

خلافت کے بارے میں جدید نظریے

انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلمان علما نے خلافت کے بارے میں مختلف نظریے پیش کئے ہیں

عبدالرحمن کواکبی(متوفی ۱۳۲۰ ہ۔ق): ایک مصری عالم تھے اگرچہ وہ قومی نقطہ نظر کی وجہ سے عربوں کی خلافت کی بازگشت چاہتے تھے لیکن کلی طور پر اس کا رویہ نظام خلافت کی جانبداری نہیں بلکہ اس حکومت کی جانبداری کر رہے تھے جس کے اردگرد تقدس کا حلقہ نہ ہواور مطلق العنان طاقت نہ بنے اور اسی لیے خلیفہ کے اختیارات کو دینی رہبر کی حد تک کم کردیا۔۔[55]

سید جمال الدین اسدآبادی(۱۲۵۴-۱۳۱۴ ہ۔ق): خلافت اور خاص کر عثمانی خلافت کی نسبت مثبت نظر رکھتے تھے۔[56] اس طرح کے طرز تفکر کا انکے اہداف اور محرکات؛ یعنی جہان اسلام، کا اتحاد، مسلمانوں کو پسماندگی سے نجات، استعمار کے مقابلے میں مسلمانوں کی شان و شوکت اور طاقت کا دوبارہ حصول، سے مستقیم رابطہ تھا۔ آپ خلافت کے اقتدار کو(اسلامی دنیا میں اتحاد کے محور کے عنوان سے) احیاء کرنا چاہتے تھے لیکن سنتی روش میں نہیں بلکہ ایک جدید شکل میں (جس میں شہریوں کے حقوق اور حکومت و عوام کے متقابل حقوق پر توجہ دے) آپکا یہ مثبت اور امیدوار کنندہ رویہ آپ کی عمر کے آخری ایام میں استانبول کی خلافت کے ذمہ داروں اور خود عبدالحمید دوم (وقت کے خلیفہ) کی غلط اقدامات کی وجہ سے نا امیدی میں بدل گیا۔[57]

محمد رشیدرضا (۱۲۸۲-۱۳۵۴ ہ۔ق/ ۱۸۶۵-۱۹۳۵م): آپ نظام خلافت کے سخت مدافع سمجھے جاتے تھے اور ابتدائی موقف میں عثمانی خلافت کی حمایت پر تمرکز کیا۔[58] اس طرح کا موقف،۱۳۰۱ش/ ۱۹۲۲ کوعثمانی

خلافت، سلطنت سے جدا ہونے اور عربی نیشنلیزم پھیلنے کے بعد (جسکو وہ فساد اور نظام خلافت سے انحراف کا باعث سمجھتے تھے) عثمانی خلافت کی مخالفت میں تبدیل ہوگیا اور رشید رضا نے کواکبی کی طرح عربی خلافت کو مطرح کیا۔۔[59]

عبدالرزاق احمد سَنْہوری (۱۳۱۳ـ۱۳۹۱ ہ۔ق/ ۱۸۹۵ـ۱۹۷۱ م): آپ نے نظام خلافت اور مسلمان ممالک کے استقلال کو ملانے کا نظریہ دیا جسمیں اسلامی بین الاقوامی تنظیمیں بنانے کی تاکید کی گئی ۔

یہ تنظیمیں مسلمان ملتوں کے مابین ثقافتی تعلقات اور ثقافتی و اعتقادی وحدت ایجاد کر کے خلافت کےمتبادل بن جاتیں۔ اس نظریے میں، خلیفہ تمام اسلامی ممالک کا تشریفاتی صدر اور صرف مذہبی اختیارات کا حامل تھا اور سیاسی کوئی بھی اختیارات نہیں تھے۔۔[60]

ابوالکلام آزاد (۱۳۰۵ـ۱۳۷۷ ہ۔ق / ۱۸۸۸ـ ۱۹۵۸ م): آپ نے نظام خلافت کو قرآن، پر مبنی ایک حکومت کے طور پر بیان کرتے ہوئے اور نظام خلافت کی شد و مد کے ساتھ دفاع کرتے ہوئے خلیفہ کو اھل حل و عقد کی رای سے معین کرنے پر تاکید کی ہے۔[61] وہ عثمانی خلافت لغو ہونے کے بعد وطن پرست نظریات کی طرف مایل ہوگیا یہاں تک کہ اتاتورک کی غیر مذہبی سیاستوں کی توجیہ کرنے لگا۔[62]

ابوالاعلی مودودی (۱۳۲۱ـ۱۳۹۹ ہ۔ق/ ۱۹۰۳ـ۱۹۷۹ م): خلافت کے آرمانی نظریہ کے بنا پر اس نظریے کا دفاع کیا اور آپ کسی قوم یا گروہ حتی قریش کے ساتھ خلافت کے انحصار کا قایل نہیں تھا اور خلیفہ کیلئے مشروط اور محدود اختیارات کا قائل تھے۔ آپ ان خلافت پسند افراد میں سے تھے جو سیاسی ساختار میں اداروں کو تقسیم اور استقلال پر تاکید کرنے کے ساتھ ساتھ خلیفہ کی ولایت کو عوامی نمایندوں (حقیقت میں عوام) کی طرف سے ایک قسم کی وکالت سمجھتے تھے اور رشید رضا کے اہل حل عقد کے برخلاف مردم‌سالاری [63] کی طرف مائل تھے۔[64]

دوسرے نظرئے: جزائری عالم مالک بن نبی کے نظریے کے مطابق آرمانی خلافت وہ عوامی حکومت تھی جو جنگ صِفّین سے پہلے تھی اور انہیں امید تھی کہ مسلمان اصل اسلامی عوامی حکومت (جسمیں اظہار رائے اور عقیدہ کی آزادی اور مطلق العنانیت سے رہایی ہو) کی طرف لوٹیں۔[65] اس کے باوجود انکے نظریات میں نظام خلافت کی دوبارہ احیاء کا کہیں اشارہ نہیں ملتا ہے۔ جبکہ اخوان‌المسلمین مصر کے سربراہ حسن البنّا (۱۳۲۴ـ۱۳۶۸/ ۱۹۰۶ـ۱۹۴۹)، کے نظریات میں کسی دوسری شکل میں نظر آتا ہے۔ حسن البنا اگرچہ خلافت کو ارکان دین اسلام اور وحدت اسلامی کی اساس سمجھتے تھے، اس لیے نظام خلافت کے دینی کردار کے احیاء کی تاکید کرتے تھے۔[66]

اسلامی خلافت کا احیاء

عثمانی خلافت کے ختم ہونے کے بعد، بعض افراد اور تحریکیں دوبارہ سے اسلامی خلافت کو زندہ کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ بنگلہ دیش میں «حافظی حضور» نے اپنی وسیع سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تحریک خلافت سے مشابہ اسی نام سے ایک تحریک کی بنیاد رکھ کرخلافت کو احیاء کرنے کے درپے ہوئے۔۱۳۶۰ھ۔ش/ ۱۹۸۰م کی دہائی میں «مشترک مجلس عمل» کے نام سے ایک یونین تشکیل ہوئی جس میں چند اسلامی گروہ شامل تھے، بنگلہ دیش کی سیاست میں اس فعال تحریک کا حضور، حافظی حضور اور اس کے حامیوں اور بنگلہ دیش کی حکومت وقت کے ساتھ داخلی وسیع تنازعات کا باعث بنا اور اس تحریک کے سرگرم کارکنوں کی گرفتاری اور خود حافظی حضور گھر میں محبوس ہوگئے اور تنظیم کی سرگرمیوں میں محدودیت کا باعث بن گیا۔[67] ایک اور تحریک، ۱۳۷۰ھ۔ش/۱۹۹۰م کی دہائی میں ترکی کے عالم دین جمال‌الدین

بن رشید کابلان (خوجا اوغلو) کی طرف سے حکومت خلافت کی تشکیل کا اعلان تنہاترین اسلامی مشروع حکومت کے عنوان سے تھا یہ حکومت اہل سنّت کی فقہ کے خلافت کے بارے میں قدیمی مبانی کے مطابق عصر جدید کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر تشکیل دیا تھا۔[68] کابلان کا نظریہ تقریباً سنہوری کا نظریہ ہی تھا اس فرق کے ساتھ کہ وہ سنہوری کے برخلاف خلیفہ کو نہ صرف ایک تشریفاتی منصب سمجھتے تھے بلکہ مقام عمل میں جہان اسلام کا عالیترین منصب بھی سمجھتے تھے۔ اور بیعت کی سنت کو دوبارہ زندہ کرنا، اور اسلامی آثار جیسے میلادی تاریخ کے بجائے تاریخ ہجری اور اسلامی احکام کو جاری کرنے پر تاکید کرتے تھے۔ اس کے علاوہ خلافت کے معنوی مرکز کو استانبول میں ہونے پر اصرار بھی کرتے تھے۔[69] داعش کا گروہ اسلامی خلافت کو ایجاد کرنے کے جدیدترین داعویداروں میں سے ہے۔

حوالہ جات


1. مراجعہ کریں:ابن منظور، «خَلَفَ» کے ذیل میں؛ زبیدی، ج ۲۳، ص ۲۶۳۔۲۶۵۔
2. رجوع کریں: بقرہ: ۳۰۔
3. اعراف: ۶۹، ۷۴؛ نمل: ۶۲۔
4. انعام:۱۶۵؛ یونس: ۱۴، ۷۳؛ فاطر: ۳۹۔
5. ماوردی، ۱۴۰۹، ص ۴؛ قلقشندی، مآثرالأنافۃ فی معالم الخلافۃ (بیروت)، ج ۱، ص ۸۔۱۲، ۱۴۔۱۶۔
6. مراجعہ کریں: ابن قتیبہ، ج۱، ص ۱۲۔۱۴؛ طبری، ج ۳، ص ۲۰۲۔۲۰۳۔
7. ابن سعد، ج ۳، ص ۸۳؛ احمد بن حنبل، ج۱، ص ۲۰۔
8. مراجعہ کریں: ماوردی، الاحکام السلطانیۃ و الولایات الدینیۃ، ص ٦۔۹۔
9. مراجعہ کریں: بلاذری، جُمَل من انساب الاشراف، ج ۱۰، ص ۸۸۔۸۹، ۳۰۵؛ طبری، ج ۳، ص ۴۲۸۔۴۳۴ ۔
10. ابن سعد، ج ۳، ص ۲۰۰۔
11. بلاذری، جُمَل من انساب الاشراف، ج۱۰، ص۳۲۱۔
12. مراجعہ کریں:جعفریان، تاریخ تحول دولت و خلافت، ص۱۰۱۔
13. مراجعہ کریں: مالک بن انس، ص ۳۰۸؛ ابن سعد، ج ۳، ص ۲٤٦؛ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۴۴۸۔ ۴٦۱؛ ماوردی، نصیحۃ الملوک، ص ۳۵۳۔
14. ابن شبّہ نمیری، ج ۳، ص ۹۳۰؛ یعقوبی، ج ۲، ص ١٦۲؛ طبری، ج ۴، ص ۲۳۳؛قس ابن قتیبہ، ج ۱، ص ۲٦۔۲٧
15. ابن تیبہ، ج ۱، ص ۳۲؛ یعقوبی، ج ۲، ص ١٦۸، ١٧۴؛ طبری، ج ۴، ص ۳۴٧۔ ۳۴۸؛ اس حوالے سے زیادہ توضیح اور تشریح کے لیے مراجعہ کریں جعفریان، تاریخ سیاسی اسلام، ج ۲، ص ۳۴۴۔ ۳۴۹۔
16. یعقوبی، ج ۲، ص ۱۷۸۔۱۷۹؛ طبری، ج ۴، ص ۴۲۷، ۴۳۵؛ ابن اعثم کوفی، ج ۲، ص ۴۳۵۔۴۳۶۔
17. مراجعہ کریں: نہج‌البلاغہ، خط ۱؛ اسکافی، ص ۵۲، ۱۰۵۔١٠٦؛ طبری، ج ۴، ص ۴۲٧۔
18. نہج‌البلاغہ، خطبہ ۳۴؛ طبری، ج ۵، ص ۹۱۔
19. نہج‌البلاغہ، خطبہ ۸٧۔
20. مراجعہ کریں:ابوالفرج اصفہانی، ص۔۴٧
21. مراجعہ کریں: یعقوبی، ج ۲، ص ١٧۹۔۱۸۰۔
22. بلاذری، جُمَل من انساب الاشراف، ج ۳، ص ۲۸۷۔

23. مراجعه کرین: بلاذری، جُمَل من انساب الاشراف، ج ۳، ص ۲۸۶ـ۲۸۷.
24. اسفراینی، ج۲، ص۵۰۱؛ غزالی، ص۲۷ـ۲۸، ۱۴۸؛ سجاسی، ص۳۴ـ۳۹
25. مراجعه کرین:حاتم قادری، تحول مبانی مشروعیت خلافت، ص ۸۳ـ۸۴، ۸۷؛ جعفریان، تاریخ تحول دولت و خلافت، ص ۹۹
26. ماوردی، الاحکام السلطانیة و الولایات الدینیة، ص ٦ـ۷؛ مراجعه کرین: جعفریان، تاریخ تحول دولت و خلافت، ص ۹۰ـ۹۳
27. ابن ابی شیبه، ج ۷، ص ٥٦٦ـ٥٦۷
28. ابن فرّاء، ص ۲۰ـ۲۳
29. ابن عبد ربّه، ج ۴، ص ۷۵ـ۷٦
30. مراجعه کرین: ابن عساکر، ج ۵۹، ص ۱۵۱، ۱۷۷
31. ابن قتیبه، ج ۱، ص ۱۸۳، ۱۸۷؛ ابن عساکر، ج ۵۹، ص ۱۵۰
32. نعیم بن حمّاد، ص ۵۷؛ احمد بن حنبل، ج ۶، ص ۲۸۹
33. مراجعه کرین: طبری، ج ۵، ص ۴٦۱ـ۴٦۲ و ابن قتیبه، ج ۱، ص ۲۱۴؛ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۵۰
34. مراجعه کرین: طبری، ج ۵، ص ۴۹۷
35. مراجعه کرین:خلیفة بن خیاط، ص ۱۵۷؛ ابن قتیبه، ج ۱، ص ۱۷۳ـ۱۷۴؛ طبری، ج ۵، ص ۴۹۲
36. بلاذری، ج ۶، ص ۳۴۱
37. مراجعه کرین: جعفریان، تاریخ تحول دولت و خلافت، ص ۲۳٦ـ۲۴۷
38. مراجعه کرین: جاحظ، رسائل الجاحظ: الرسائل الکلامیة، ص ۲۴۲ـ۲۴۵؛ غزالی، ص ۱۱۹؛ هندوشاه بن سنجر، ص ۵۷؛ تحفه: در اخلاق و سیاست، ص ۱۵۴
39. مراجعه کرین: خطیب اسکافی، ص ۱۲؛ طرطوشی، ص ۱۲٦ـ۱۲۷
40. مراجعه کرین: یعقوبی، ج ۲، ص ۳۵۰ـ۳۵۱
41. ماوردی، الاحکام السلطانیه، ص ۱؛ ابن فرّاء، ص ۲۴؛ بلعمی، ج ۲، ص ۱۱٦۹؛ ثعالبی، ص ۷٦؛ گردیزی، ص ۱۵۳؛ ابن جوزی، ج ۹، ص ۲۱۹؛ قلقشندی، صنع الاعشی فی صناعة الانشا، ج ۹، ص ۲۷٦ـ۲۷۹
42. جاحظ، التاج فی اخلاق الملوک، ص۱۵ـ۲۱، ۲۴ـ ۳۲، ۵۳ـ۸۷؛ ثعلبی، ص۳۷ـ۱۰۱
43. ابن مقفع، ص ۱۹۲؛ ابویوسف، ص ۵؛ بلک، ص ۳۶ـ۳۹
44. مجمل التواریخ و القصص، ص ۳٦۲ـ ۳٦۵، ۳۷۴ـ۳۷۵؛ هندوشاه بن سنجر، ص ۱۸۵؛ تحفه: در اخلاق و سیاست، ص ۱۳۳ـ۱۳۴
45. ابن اثیر، ج ۱۲، ص ۳۵۸ـ۳٦۰؛ سعدی، ص ۷۰۳ـ۷۰۸
46. مراجعه کرین: رشیدالدین فضل اللّه، جامع التواریخ: بخش اسماعیلیان و فاطمیان، ص ۳۱ـ۳۴
47. مراجعه کرین: بلک، ص ۴۱ـ۴۲؛ جان احمدی، ص ۲۰۵ـ۲۰٦
48. مراجعه کرین: قلقشندی، صبح الاعشی فی صناعه الانشا، ج ٦، ص ۴۴۲، ۵۲۲ـ۵۲۳، مراجعه کرین: صفحه ۲۳۴ـ۲۳۵ ه.ق
49. مراجعه کرین: عمادالدین کاتب، ص ۴۲ـ۴۳، ۵۸ـ۵۹؛ رشیدالدین فضل‌اللّه، جامع التواریخ: قسمت اسماعیلیان و فاطمیان، ص ۷۴ـ۷۵

50. ابن سباط، ج ۲، ص ۷۵۰
51. مراجعہ کریں: ابن ایاس، ج ۵، ص ۲۷۲؛ بارتولد، ص ٦٧
52. مراجعہ کریں: فریدون‌بیگ‌پاشا، ج ۱، ص ۴۱٦
53. مراجعہ کریں: لطفی‌پاشا، ص۳۸ـ۴۸، ٦۲
54. مراجعہ کریں: لطفی‌پاشا، ص ٦۸، جس میں اس مسئلے کے منکروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔
55. مراجعہ کریں: علیخانی، ص۴٦ـ۴۷
56. مراجعہ کریں: جمال‌الدین اسدآبادی، ص ۱۴۸ـ۱۴۹
57. مراجعہ کریں: جمال الدین اسدآبادی، ص۱۴۷ـ۱۵۱
58. مراجعہ کریں: گل‌محمدی، ص۱٦۹ـ۱۷۰
59. مراجعہ کریں: گل محمدی، ص۱۷۰ـ۱۷۳، ۱۸۸
60. مراجعہ کریں: سنہوری، ص۳۳۷ـ ۳۷۴
61. مراجعہ کریں: قندیل عباس، ص۳۷۱ـ۳۷۲
62. مراجعہ کریں: قندیل عباس، ص ۳۷۲ـ۳۷۴
63. مراجعہ کریں: فیرحی، ص۱۴۷ـ۱۴۹
64. مراجعہ کریں:مودودی، ص۲۷۸ـ۲۸۴
65. مراجعہ کریں: ابن نبی، ص۲٦ـ۲۹، ۳۹ـ۴۳، ۵۱ـ۵۲
66. مراجعہ کریں: بنّا، ص۲۲۷ـ۲۴۳
67. مراجعہ کریں: یوسف امین، ص۱۵۰ـ۱۵۳
68. مراجعہ کریں: کابلان، ص۹۳ـ۹۴، ۱۰۳ـ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۵ـ۱۲۲، ۱۴۴ـ۱٦۵
69. مراجعہ کریں:کابلان، ص۲۵ـ۳۰، ۵۹

مآخذ


- قرآن
- نہج البلاغہ، ترجمہ جعفر شہیدی، تہران، ۱۳۷۰ش۔
- ابن ابی شیبہ، المصنَّف فی الاحادیث و الآثار، چاپ سعید محمد لحّام، بیروت ۱۴۰۹/۱۹۸۹۔
- ابن اثیر، ج ۱۲، ص ۳۵۸ـ۳٦۰
- ابن اعثم کوفی، کتاب الفتوح، چاپ علی شیری، بیروت ۱۴۱۱/۱۹۹۱۔
- ابن ایاس، بدائع الزہور فی وقائع الدہور، چاپ محمد مصطفی، قاہرہ ۱۴۰۲ـ۱۴۰۴/۱۹۸۲ـ۱۹۸۴۔
- ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم، چاپ محمد عبدالقادر عطاو مصطفی عبدالقادر عطا، بیروت ۱۴۱۲/۱۹۹۲۔
- ابن سباط، صدق الاخبار، تاریخ ابن سباط، چاپ عمر عبدالسلام تدمری، طرابلس ۱۴۱۳/۱۹۹۳۔
- ابن سعد (بیروت)۔
- ابن شبّہ نمیری، کتاب تاریخ المدینۃ المنورۃ: اخبار المدینۃ النبویۃ، چاپ فہیم محمد شلتوت، جدہ، ۱۳۹۹/۱۹۷۹، چاپ افست قم ۱۳٦۸ش۔
- ابن عبدربّہ، العقدالفرید، چاپ علی شیری، بیروت ۱۴۰۸ـ۱۴۱۱/۱۹۸۸ـ۱۹۹۰۔

- ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، چاپ علی شیری، بیروت ۱۴۱۵ـ۱۴۲۱/۱۹۹۵ـ۲۰۰۱.
- ابن فرّاء، الاحکام السلطانیة، چاپ محمدحامد فقی، بیروت ۱۴۰۳/۱۹۸۳.
- ابن قتیبه، الامامة و السیاسة، المعروف بتاریخ الخلفاء، قاهره ۱۳۸۸/ ۱۹۶۹، چاپ افست قم ۱۳۶۳ش؛
- ابن مقفع، المجموعة الکاملة مؤلفات عبداللّه بن المقفع، بیروت ۱۹۷۸.
- ابن منظور، لسان العرب،
- ابن نبی، مالک، دموکراسی در اسلام، ترجمه عبدالعزیز مولودی، بوکان ۱۳۸۱ش.
- ابوالفرج اصفهانی، مقاتل الطالبیین، چاپ کاظم مظفر، نجف ۱۳۸۵/ ۱۹۶۵، چاپ افست قم ۱۴۰۵.
- ابویوسف، یعقوب بن ابراهیم، کتاب الخراج، بیروت ۱۳۹۹/۱۹۷۹.
- احمدبن حنبل، مسندالامام احمدبن محمدبن حنبل، بیروت ۱۴۱۴/۱۹۹۳.
- اسفراینی، شهفوربن طاہر، تاج التراجم فی تفسیرالقرآن للأعاجم، چاپ نجیب مایل هروی و علی اکبر الهی خراسانی، ج۲، تهران ۱۳۷۵ش؛
- اسکافی، محمدبن عبداللّه، المعیار و الموازنة فی فضائل الامام امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب (صلوات اللّه علیه)، چاپ محمدباقر محمودی، بیروت ۱۴۰۲/۱۹۸۱.
- بارتولد، واسیلی ولادیمیروویچ، خلیفه و سلطان، و مختصری درباره برمکیان، ترجمه سیروس ایزدی، تهران ۱۳۵۸ش.
- بلاذری، احمدبن یحیی، کتاب جُمَل من انساب الاشراف، چاپ سهیل زکار و ریاض زرکلی، بیروت ۱۴۱۷/۱۹۹۶.
- بلاذری، احمدبن یحیی، کتاب فتوح البلدان، چاپ دخویه، لیدن ۱۸۶۶، چاپ افست فرانکفورت ۱۴۱۳/۱۹۹۲.
- بلعمی، محمدبن محمد، تاریخنامه طبری، چاپ محمد روشن، تهران ۱۳۶۶ش.
- بلک، آنتونی، تاریخ اندیشه سیاسی اسلام: از عصر پیغمبر تا امروز، ترجمه محمدحسین وقار، تهران ۱۳۸۵ش.
- بنّا، حسن، مجموعة رسائل الامام الشهید حسین البنا، اسکندریه ۱۴۲۳/۲۰۰۲.
- تحفه: در اخلاق و سیاست، از متون فارسی قرن هشتم، چاپ محمدتقی دانش پژوه، تهران ۱۳۴۱ش
- ثعالبی، عبدالملک بن محمد، آداب الملوک، چاپ جلیل عطیه، بیروت ۱۹۹۰.
- ثعلبی، محمدبن حارث، اخلاق الملوک، چاپ جلیل عطیه، بیروت ۱۴۲۴/۲۰۰۳.
- جاحظ، عمروبن بحر، کتاب التاج فی اخلاق الملوک، چاپ فوزی عطوی، بیروت ۱۹۷۰.
- جاحظ، عمروبن بحر، رسائل الجاحظ: الرسائل الکلامیة، چاپ علی ابوملحم، بیروت ۲۰۰۴.
- جان احمدی، فاطمه، ساختار نهاد دینی فاطمیان در مصر، تهران ۱۳۸۸ش.
- جعفریان، رسول، تاریخ تحول دولت و خلافت: از برآمدن اسلام تا برافتادن سفیانیان، قم ۱۳۷۷ش.
- جعفریان، رسول، تاریخ سیاسی اسلام، ج۲، تهران ۱۳۷۲ش.
- جمال الدین اسدآبادی، نامه ها و اسناد سیاسی ـ تاریخی، تهیه، تنظیم، تحقیق و ترجمه هادی خسروشاهی، تهران ۱۳۷۹ش.
- حاتم قادری، تحول مبانی مشروعیت خلافت: از آغاز تا فروپاشی عباسیان، با رویکردی به آراء اهل سنّت، بی جا، بنیان، ۱۳۷۵ش.
- خطیب اسکافی، محمدبن عبداللّه، کتاب لطف التدبیر، چاپ احمد عبدالباقی، بغداد ۱۹۶۴.
- خلیفة بن خیاط، تاریخ خلیفة بن خیاط، چاپ مصطفی نجیب فوّاز و حکمت کشلی فوّاز، بیروت ۱۴۱۵/۱۹۹۵.

- رشیدالدین فضل اللّه، جامع التواریخ: قسمت اسماعیلیان و فاطمیان و نزاریان و داعیان و رفیقان،چاپ محمدتقی دانش پژوه و محمد مدرسی زنجانی، تهران ۱۳۸۱ش.
- زبیدی، محمدبن محمد، تاج العروس من جواهر القاموس، ج۲۳، چاپ عبدالفتاح حلو، کویت ۱۴۰۶/۱۹۸۶.
- سجاسی، اسحاق بن ابراهیم، فرائدالسلوک، چاپ نورانی وصال و غلامرضا افراسیابی، تهران ۱۳۶۸ش.
- سعدی، مصلح بن عبداللّه، کلیات سعدی، چاپ بهاءالدین خرمشاهی، تهران ۱۳۷۹ش.
- سنهوری، عبدالرزاق احمد، فقه الخلافة و تطورها لتصبح عصبة امم شرقیة، ترجمته عن الفرنسیة نادیه عبدالرزاق سنهوری، چاپ توفیق محمد شاوی، قاهره، ۱۹۸۹.
- طبری، محمدبن جریر، تاریخ، بیروت
- طرطوشی، محمدبن ولید، سراج الملوک، بیروت ۱۹۹۵.
- علیخانی، علی اکبر، «درآمدی بر اندیشه سیاسی در جهان اسلام»، در اندیشه سیاسی در جهان اسلام،
- عمادالدین کاتب، محمد بن محمد، سناالبرق الشامی: ۵۶۲ـ۵۸۳ه‍ /۱۱۶۶ـ۱۱۸۷م، اختصار فتح بن علی بنداری، چاپ فتحیه نبراوی، قاهره، ۱۹۷۹.
- غزالی، محمد بن محمد، نصیحة الملوک، چاپ جلال الدین همایی، تهران ۱۳۶۷ش.
- فریدون بیگ پاشا، احمد، منشآت السلاطین، استانبول، ۱۲۷۴ـ۱۲۷۵.
- فیرحی، داود، نظام سیاسی و دولت در اسلام، تهران ۱۳۸۲ش.
- قلقشندی، احمدبن علی، صبح الاعشی فی صناعة الانشا، قاهره ۱۹۱۰ـ۱۹۲۰، چاپ افست ۱۳۸۳/۱۹۶۳.
- قلقشندی، احمدبن علی، مآثرالأنافة فی معالم الخلافة، چاپ عبدالستار احمد فراج، کویت ۱۹۶۴، چاپ افست بیروت ۱۹۸۰.
- قندیل عباس، سید، «ابوالکلام آزاد»، در اندیشه سیاسی در جهان اسلام
- کابلان، جمال الدین بن رشید(خوجا اوغلو)، الخلافة و الخلیفة، کلن ۱۴۱۶/۱۹۹۵.
- گردیزی، عبدالحی بن ضحاک، تاریخ گردیزی، چاپ عبدالحی حبیبی، تهران ۱۳۶۳ش.
- گل محمدی، علی، «محمد رشیدرضا»، در اندیشه سیاسی در جهان اسلام، همان، ج۱.
- لطفی پاشا، احمد لطفی بن عبدالمعین، خلاص الامة فی معرفة الائمة، چاپ ماجده مخلوف، قاهره ۱۴۲۲/۲۰۰۱؛
- مالک بن انس، المُوَطَّأ، چاپ طه عبدالرؤوف سعد، قاهره، ۲۰۰۶.
- ماوردی، علی بن محمد، الاحکام السلطانیة و الولایات الدینیة، چاپ احمد مبارک بغدادی، کویت ۱۴۰۹/۱۹۸۹.
- ماوردی، علی بن محمد، کتاب نصیحة الملوک، چاپ محمدجاسم حدیثی، بغداد، ۱۴۰۶/ ۱۹۸۶.مجمل التواریخ و القصص، ص ۳۶۲ـ ۳۶۵، ۳۷۴ـ۳۷۵
- مودودی، ابوالاعلی، نظریة الاسلام و هدیه فی السیاسة و القانون و الدستور، بیروت ۱۳۸۹/۱۹۶۹.
- نعیم بن حمّاد، کتاب الفتن، چاپ سهیل زکار، مکه، ۱۹۹۱ چاپ افست دمشق، بی تا.
- هندوشاه بن سنجر، تجارب السلف، چاپ عباس اقبال آشتیانی، تهران ۱۳۵۷ش.
- یعقوبی، تاریخ،
- یوسف امین، «جنبش خلافت 'حافظی حضور، در بنگلادش»، ترجمه محسن مدیرشانه چی، مشکوة،ش ۱۱ (تابستان ۱۳۶۵).